بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۶۸۴
سلسلہ

پاکستان کا معجزانہ قیام

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کے قیام و بقا کے ضمن میں "معجزانہ" نوعیت کے واقعات کا ظہور اس تسلسل کے ساتھ ہوا ہے کہ کوئی بالکل ہی کور باطن ہو تو اور بات ہے، ورنہ ہر صاحب دیدہ بینا کو صاف نظر آتا ہے کہ پاکستان کا قیام ارادہ مشیت خداوندی کے ایک خصوصی ظہور کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا وجود یقیناً تدبیر الٰہی کے کسی طویل المیعاد منصوبے کی ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ حقیقت کہ پاکستان کا قیام ایک "معجزہ" تھا، پورے طور پر تو اسی وقت سمجھ میں آسکتی ہے جب برصغیر پاک و ہند میں ہندو مسلم مسئلے کے پورے تاریخی پس منظر کو سمجھا جائے اور خاص طور پر ان نئی پیچیدگیوں کا فہم و شعور اور ان نئی جہتوں کا

اور اُسے حاصل کیا جائے جس کا اشارہ اس انتہائی اہم و نازک مسئلے
میں انگریزوں کے لگ بھگ دو سو سالہ دور اقتدار میں ہوا تھا۔ جس
کے نتیجے میں صورتحال بالکل برعکس ہو گئی تھی اور شدید اندیشہ پیدا
ہو گیا تھا کہ مستقبل میں ماضی کے حاکم، محکوم اور محکوم حاکم بن
جائیں گے۔ اس لئے کہ اسی طرح یہ حقیقت پورے طور پر
منکشف ہو سکتی ہے کہ پاکستان کا قیام اسی ارادہ و خداوندی کا ظہور
تھا جو لگ بھگ سوا تین ہزار سال قبل مصر میں ظاہر ہوا تھا،
جس کا ذکر قرآن حکیم میں سورہ قصص کی آیت نمبر 5 میں ان
الفاظ میں ہوا ہے:

ترجمہ: "اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان
کریں جو ملک میں دبا لئے گئے تھے۔"

لیکن ظاہر ہے کہ یہ بحث بہت طویل ہے اور موجودہ مختصر
کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ تاہم انشاء اللہ العزیز
ایک صاحب عقل و بصیرت انسان کے لئے برصغیر کے 1940ء تا 1947ء
کے حالات و واقعات کا سرسری جائزہ بھی اس حقیقت کی وضاحت
کے لئے کافی ہوگا کہ پاکستان کا قیام ایک معجزہ اور مشیت ایزدی،
قدرت خداوندی کے خصوصی ظہور کی حیثیت رکھتا ہے۔

23 مارچ 1940ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس کی

"قرارداد پاکستان" منظور ہونے کے بعد برصغیر کے میدان سیاست
میں متحارب و متقابل قوتوں کے جائزے کا لب لباب یہ بنتا ہے کہ
ایک جانب پوری ہندو قوم تھی جو "اکھنڈ بھارت" کو اپنے دھرم
یعنی "دین و ایمان" کا مسئلہ بنائے ہوئے تھی اور اس کے
نزدیک بھارت کی تقسیم "ماتا" کے ٹکڑے کر دینے کے مترادف
تھی اور یہ معاملہ ان کے نزدیک کس قدر جذباتی نوعیت کا تھا، اس
کا اندازہ گاندھی جی کے اس تاریخی جملے سے لگایا جا سکتا ہے جو
تقسیم ہند کے آخری فیصلے سے کچھ ہی دن پہلے ان کی زبان سے نکلا
تھا یعنی "پاکستان صرف میری لاش پر بن سکتا ہے" (مولانا
ابوالکلام آزاد، انڈیا ونز فریڈم صفحہ 167)۔ یہاں یہ واضح رہے کہ
گاندھی جی کوئی عام اور غیر اہم انسان نہیں تھے بلکہ جدید ہند کے
بڑے سیاسی لیڈر اور ہندوؤں کے لئے تو ایک عظیم رہنما ہی نہیں
"مہاتما" تھے اور انہیں عام طور پر جذباتی اور مشتعل مزاج انسان
نہیں سمجھا جاتا۔

"اکھنڈ بھارت" کے اس قدر جذباتی اور پرجوش حامی تو
اگرچہ صرف ہندو ہی تھے لیکن انہیں اس معاملے میں بھرپور تائید
حاصل تھی۔ ہندوستان کی جملہ غیر مسلم اقوام کی جیسے سکھ
پارسی اور عیسائی اور اس پر مستزاد یہ کہ خود مسلمانوں کے بعض

فعال عناصر تقسیم ہند کے خلاف تھے جن میں اہم ترین معاملہ تو مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی زیر قیادت کانگریسی مسلمانوں اور مولانا حسین احمد مدنی کی زیرسرکردگی جمعیت علمائے ہند اور ان کے متوسلین اور معتقدین کا تھا۔ پھر پنجاب میں مجلس احرار اسلام ایسی زوردار عوامی خطباء مقررین پر مشتمل جماعت تھی اور سرحد میں خدائی خدمتگاروں جیسا پرجوش عوامی کارکنوں کا گروہ تھا۔

ادھر ہندو خود بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ صرف یہ کہ تعداد کے اعتبار سے لگ بھگ تین گنا تھے بلکہ دولت و سرمایہ اور تجارت و صنعت پر تو تقریباً بلاشرکت غیرے قابض تھے اور تعلیم، قومی بیداری اور سیاسی تنظیم کے اعتبار سے بھی آگے تھے اور "آکھنڈ بھارت" کے پلڑے میں اضافی وزن بڑھ رہا تھا دیگر غیر مسلم اقوام اور نیشنلسٹ مسلمانوں کا اور ان سب کے مقابلے میں بھی مسلمانوں کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرنے والی مسلم لیگ، گویا معاملہ بالکل وہی تھا کہ ۔ "لڑادے ممولے کو شہباز سے" یا

ے "الجھ رہے ہیں زمانے سے چند دیوانے"

چنانچہ اعداد و شمار، حالات و واقعات اور اجتماعیات و عمرانیات کے کسی بھی اصول اور قاعدہ کی رو سے "مطالبہ پاکستان"

ایک دیوانے کے خواب اور مجذوب کی بڑ یا زیادہ سے زیادہ سودے بازی کے حربے سے بڑھ کر نظر نہ آتا تھا۔

اس پر مزید اضافہ کیجئے اس کا کہ برطانیہ میں اس وقت لیبر پارٹی کی حکومت تھی جسکی ہمدردیاں واضح طور پر کانگریس کے ساتھ تھیں۔ چنانچہ 1946ء میں جب اس حکومت کے فرستادہ وزارتی مشن نے بنیادی منصوبہ پیش کیا تو اس کی تمہید کے طور پر واضح الفاظ میں ہندوستان کی تقسیم کو غیر معقول اور ناقابل عمل قرار دے کر رد کردیا تھا۔ مزید برآں اس وقت تو یہ حقائق صرف اہل نظر کی نگاہ اور واقف حال لوگوں کے علم میں ہوں گے لیکن اب تو یہ تمام راز طشت ازبام ہوچکے ہیں کہ شخصی اعتبار سے برطانوی وزیراعظم ایٹلی کو مسلم لیگ اور قائداعظمؒ سے ذاتی بغض تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن جس کے ہاتھوں قدرت نے ہندوستان کو بالفعل تقسیم کرایا۔ ایک طرف خود گاندھی کا چیلا تھا تو دوسری طرف پنڈت نہرو کی دوستی صرف اس ہی سے نہیں، اس کے پورے "خاندان" سے تھی جبکہ قائداعظم سے اسے ذاتی پرخاش اور نفرت تھی۔

ادھر وہ مسلم قوم جس نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا جس انتشار ذہن و فکر اور پراگندگی عمل کا شکار اور ہمت و جرات کے

زوال سے دوچار تھی، اس کا اندازہ اس واقعے سے کیا جاسکتا ہے کہ چند ہی سال قبل مستقبل کے قائداعظم اور معمار پاکستان نے قوم سے بددل اور مایوس ہو کر وطن عزیز سے باضابطہ "ہجرت" کرلی تھی اور مستقل طور پر انگلستان میں جا ڈیرا لگایا تھا اور ہندوستان کے لوگوں کے بارے میں یہ الفاظ کہے تھے کہ

"ہندو کوتاہ اندیش ہیں اور میرے خیال میں ناقابل اصلاح اور مسلمانوں کی صفیں ایسے کم ہمت لوگوں سے بھری پڑی ہیں جو میرے ساتھ بات کرنے کے بعد ڈپٹی کمشنر سے پوچھیں کہ کیا کرنا چاہیے۔ ان دو گروہوں کے مابین مجھ جیسے آدمی کی جگہ کہاں ہے؟
(شیخ محمد اکرام، ماڈرن مسلم انڈیا)

مزید برآں خود اس جماعت اور اسکے وابستگان کا عالم کیا تھا جس نے حصول پاکستان کے لئے کمر کسی تھی، اس کا اندازہ کرنے کے لئے قائداعظمؒ کے اس مشہور جملے کو ذہن میں تازہ کرلینا کافی ہے کہ "میری جیب میں کھوٹے سکے ہیں۔" ان حالات و واقعات کے مدنظر کون کہہ سکتا ہے کہ برصغیر کی تقسیم اور پاکستان کا قیام کسی "معجزہ" سے کم تھا۔

اور اگر کسی کو اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں تامل ہو اور شک و شبہ کی گنجائش نظر آئے تو اس ضمن میں آخری فیصلہ کن

معاملہ "کیبنٹ مشن پلان" کا ہے جس کے بعد اس امر میں کسی شک کا شائبہ بھی باقی نہیں رہ جاتا کہ پاکستان کا قیام مشیت و قدرت خداوندی کے خصوصی ظہور کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ اس پلان کے مصنفین نے ہندوستان کی تقسیم کو مناسب ہی نہیں بلکہ ناممکن العمل قرار دے کر گویا بزعم خویش آزاد و خود مختار پاکستان کے مطالبہ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی اور اس کے بجائے ہندوستان کی ایک "مرکزی حکومت" کے تحت تین خطوں (Zones) پر مشتمل وفاق کا نقشہ پیش کیا تھا۔

ہندوستان کے ماضی قریب کی تاریخ کا ہر طالبعلم جانتا ہے کہ یہ قائداعظم مرحوم کی سیاسی زندگی کا نازک ترین مرحلہ اور ان کے تدبر و تحمل اور دوراندیشی و معاملہ فہمی کا سخت ترین امتحان تھا۔ اسمیں ایک طرف صاف نظر آرہا تھا کہ برطانوی حکومت مختلف داخلی و خارجی عوامل کے تحت ہندوستان سے بوریا بستر لپیٹنے پر تلی ہوئی ہے اور اگر اس مرحلے پر مسلم لیگ کی جانب سے ذرا بھی ضد اور ہٹ کا مظاہرہ ہوا تو لیبر پارٹی کی "ہز مجسٹیز گورنمنٹ" ہندوستان کی حکومت یکطرفہ طور پر کانگریس کے حوالے کردے گی اور پھر ہندوؤں کے چنگل سے رہائی پانا شاید لاکھوں نہیں کروڑوں

جانوں کی قربانی سے ممکن ہو سکے۔ دوسری طرف یہ بات بھی واضح تھی کہ اس منصوبہ کو تسلیم کرنے کے معنی یہ تھے کہ مسلم لیگ نے پاکستان کی اور کم از کم وقتی طور پر آزاد اور خود مختار پاکستان کے مطالبے سے دستبرداری اختیار کر لی اور گزشتہ چند برسوں کے دوران جو نفسیاتی اور جذباتی فضا ہندوستان کی مسلم قوم میں پیدا ہو چکی تھی، اس کے پیش نظر شدید اندیشہ تھا کہ اس کے نتیجے میں یا مسلمان مشتعل ہو کر قابو سے باہر ہو جائیں گے یا ان کے حوصلے اور ولولے ہمیشہ کے لئے سرد ہو جائیں گے یا کم از کم مسلم لیگ اور خود قائد اعظم کی سیاسی موت واقع ہو جائے گی۔ گویا قائد اعظم اور مسلم لیگ دونوں کو اس وقت ایک جانب کنواں اور دوسری جانب کھائی والی صورتحال سے سابقہ تھا۔ البتہ کیبنٹ مشن پلان میں دو باتیں "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کا مصداق بھی تھیں۔ ایک یہ کہ اس میں تین خطوں (Zones) کی صورت میں پاکستان کے نقشے کی دھندلی سی تصویر موجود تھی اور دوسری یہ کہ دس سال کے بعد ہر خطے کے لئے مرکزی حکومت کے ساتھ اپنے تعلق پر نظر ثانی کرنے کی گنجائش موجود تھی۔ اس طرح اس وقت نہیں تو دس سال بعد ... پاکستان کے قیام کا امکان کم از کم نظری طور پر موجود تھا

قیام کے بعد اس کا بالفعل امکان بہت کم تھا۔ میرے نزدیک یہ قائد اعظم کے سیاسی تدبر (Statesmanship) اور واقعیت پسندی (Realism) کا شاہکار تھا کہ انہوں نے 6 جون 46ء کو کیبنٹ مشن پلان کو منظور کر لیا۔ اگرچہ اس پر یہ حقیقت ہے کہ ہندو پریس نے خوب بغلیں بجائیں، تمسخر اڑایا، کارٹون شائع کئے اور اسے "پاکستان" کے تصور کی آخری اور قطعی تدفین قرار دیا بلکہ خود برطانوی حکومت نے بھی اسے مسلم لیگ کی کمزوری پر محمول کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کیبنٹ مشن پلان کے تحت بننے والی مرکزی حکومت کی تشکیل کے ضمن میں اپنے ایک صریح وعدے کی خلاف ورزی کی اور واضح اعلان سے انحراف میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔

اس موقع پر مشیت ایزدی اور قدرت خداوندی کا خصوصی ظہور اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جس کا حوالہ پہلے آ چکا ہے کہ "تمام انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے مابین ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے" پنڈت نہرو کے ان بیانات کی صورت میں ہوا جو انہوں نے فتح کے نشے میں بدمست ہو کر دیئے، جن کے نتیجے میں کانگریس کی جانب سے پلان کی منظوری کی بالفعل نفی ہو گئی اور بدعہدی و بددیانتی پوری طرح بے نقاب

پلان کے سامنے آتے ہی فوری طور پر خود مسٹر گاندھی سے بھی سرزد ہوگئی تھی لیکن ایک تو وہ کانگریس کے عہدیدار نہ تھے، دوسرے انہوں نے مشن کی جانب سے ان کی غلط توجیہات کی تردید کے بعد مصلحتاً زبان کو بند رکھا جبکہ پنڈت نہرو کا معاملہ دوسرا تھا، ایک تو وہ اس وقت کانگریس کے صدر تھے، دوسرے ان کے "ہٹ کے پکے" ہونے کا وصف مشہور و معروف تھا لہذا ان کے بیانات کے نتیجے میں مسلم لیگ کے لئے کیبنٹ مشن پلان کی منظوری واپس لینے کا معقول جواز پیدا ہوگیا اور اگرچہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے پیچ در پیچ ریزولیشن کے ذریعے پنڈت نہرو کے بیانات کی تلافی کی کوشش کی لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور قائداعظمؒ کی ایسی عقابی نگاہ رکھنے والی شخصیت اس موقع کو ہاتھ سے جانے دینے والی نہیں تھی۔ چنانچہ 27 جولائی 46ء کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے کیبنٹ مشن پلان کی منظوری واپس لینے کا اعلان کردیا اور اس طرح ایک آزاد اور خودمختار پاکستان کے قیام کا مسئلہ جو نظری طور پر کم از کم دس سال کے لئے اور حقیقتاً ہمیشہ کے لئے دفن ہوگیا تھا، ازسرنو زندہ ہوگیا۔

اب ذرا بتایئے کہ اس "اعجاز مسیحائی" کا سہرا بظاہر احوال اور اس عالم اسباب و علل کی حد تک سوائے پنڈت نہرو کے اور

کس کے سر باندھا جاسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب (انڈیا ونز فریڈم) میں اپنے پورے سیاسی کیریئر کی صرف ایک ہی غلطی تسلیم کی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے 46ء میں کانگریس کا صدر بننا قبول نہ کیا اور اس طرح اس وقت پنڈت نہرو کی صدارت کی صورت پیدا ہوئی اور ان کی اس عہدے دارانہ حیثیت ہی کی بناء پر ان کے "فرمودات" کو وہ اہمیت حاصل ہوئی کہ کانگریس کے نقطہ نگاہ سے مسلم لیگ کے دام میں آجانے کے بعد بچ نکلنے کی صورت میں پیدا ہوئی۔ ویسے غور کیا جائے تو پنڈت جی نے اپنی سادہ لوحی کی بناء پر یا فتح کی "مستی" میں جو کچھ کہا تھا، وہ بالکل درست تھا وہ واقعتاً صورت یہی تھی کہ اگر ایک بار اس پلان کے تحت انڈین یونین گورنمنٹ وجود میں آتی تو پھر کسی خطے (Zone) کے علیحدہ ہونے کا بالفعل کوئی امکان نہ رہتا۔ لیکن اس وقت اس "سچی بات" کا زبان سے نکال دینا ہی اکھنڈ بھارت کے نقطہ نظر سے سب سے بڑی سیاسی غلطی تھی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کی صاحبزادی مسز اندرا گاندھی نے اپنے پتاجی کے بارے میں کہا تھا کہ "ہمارے بابا تو صوفی تھے، انہیں سیاست نہیں آتی تھی، اور شاید پنڈت جی کی ایسی ہی باتیں تھیں جن کی بناء پر چوہدری خلیق الزمان مرحوم نے کہا تھا کہ "پنڈت نہرو سے زیادہ سیاست تو میرا

سائیس جانتا ہے" (مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب کے صفحات 143 تا 145 پر پنڈت جی کی 1937ء کی ایک ایسی ہی کوہ ہمالیہ جتنی بڑی غلطی کا ذکر کیا ہے جس کا براہ راست تعلق چوہدری صاحب کی ذات سے تھا جس کی بناء پر مولانا آزاد کے نزدیک یوپی میں مسلم لیگ کی تحریک کو عروج حاصل ہوا) ہمارے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی تصرف کا مظہر تھا اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے گویا مسلمانان ہند پر یہ حجت قائم فرمائی تھی کہ تم تو ایک کلیتاً آزاد خودمختار پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہوگئے تھے، ہم نے اپنی خصوصی مشیت و قدرت کو بروئے کار لاکر تمہیں ایک کاملتاً آزاد خود مختار پاکستان عطا فرمایا "تاکہ دیکھیں کہ اب تم کیا کرتے ہو۔" چنانچہ یہ روایت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے معتقدین کے حلقے میں تواتر کے ساتھ بیان ہوتی ہے کہ مولانا نے 46ء کے رمضان میں سلہٹ میں جہاں عموماً ماہ رمضان گزارا کرتے تھے، فرمایا تھا کہ "ملاء اعلیٰ میں پاکستان کے قیام کا فیصلہ ہوگیا ہے" اور اس پر جب ان کے کسی عقیدت مند نے سوال کیا کہ "پھر ہم کیا کررہے ہیں؟" تو مولانا نے جواب دیا کہ اس معاملے کا تعلق امور تکوینیہ سے ہے جن کی پابندی ہمارے لئے ضروری نہیں۔"

بشکریہ

روزنامہ جنگ کراچی

11 اگست 1998ء